کرشن چرتر منظوم



مہابھارت اور بھاگوت کی سنکھیپت اور دلچسپ داستان
بھگتوں کے حقیقی پریم کی جیتی جاگتی تصویر اور بھگوان کی کرپا
کا دلفروز منظر بھگت بھگتوں کیلئے بہترین کارآمد نسخہ منظوم

مُصنفہ
روگناتھ چیر المتخلص بہ سفیر کاشمیری

بار اول۔ تعداد ۵۰۰۔ مئی سنہ ۱۹۵۶ء دی نارمل پریس سرینگر قیمت ۸ر

شعاعِ نورِ ذاتِ کبریائی ہے عیاں اس میں
غبارِ معصیت دھونے کو بحرِ بیکراں اس میں

بہارِ بستاں ہے اعجازِ قلم کی گلفشانی کا
چمن اس میں گل اس میں بلبل اس میں باغباں اس میں

نمایاں جاذبہ الفت کا اس میں لطفِ بے پایاں
صداقت، معرفت، رازِ حقیقت کا بیاں اس میں

کرشن چرتر منظوم

مہابھارت اور بھاگوت کی سنکھیپت

اور دلچسپ داستان

بھگتوں کے حقیقی پریم کی جیتی جاگتی تصویر اور بھگوان کی کرپا کا دلفروز منظر بھگوت بھگتوں کے لئے بہترین کارآمد نسخہ منظوم

مصنفہ

رگوناتھ چیر المتخلص بہ سفیر کاشمیری

بار اول - تعداد ۵۰۰۰ - مئی سنہ ۱۹۵۶ [نادر] پریس سرینگر قیمت ۸ر

میں سنکر نہایت محظوظ ہوا
یہ گویا کرشن بھگتی کی گنگا بہہ
رہی ہے

ماسٹر زندہ کول

۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵

شری کرشنائے نغمہ

ناظرین کرام! یہ شری کرشن چرتر منظوم کوئی نئی چیز نہیں۔ وہی پرانے مشہور آفاق تعلیم و مقدس منتروں کا اقتباس نہایت اختصار سے اور نئی طرز ادا سے چھوٹے چھوٹے نظموں میں بمصداق پرانی مے معرفت نئی بوتل میں بھگوان شری کرشن کے پریمیوں کی ضیافت طبع کے لئے ہدیہ ناظرین ہے۔

مہابھارت اور شریمد بھاگوت کے دلآویز اور شاندار طویل کرشن چرتر کو اپنی علمی کم بضاعتی کے زیر نظر نہایت اختصار سے نظموں میں قلمبند کرنے کی غرض و غایت بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ عام عدیم الفرصت لوگوں کو عموماً اور کرشن بھگتوں کو خصوصاً بھگوان کرشن کے جیون اور ان کی مہما کا کم و بیش لطف اور شبھ وچار من میں پیدا ہو اور وہ ہزاروں دنیاوی مشاغل کی مصروفیت کے ساتھ ایک دو منٹ کے لئے یہ پرم پوتر اور لابھ دایک شغل بھی شامل حال رکھ کر اس جنم اور پرلوک کی بہتری کا موجب بن جائیں۔ چونکہ نیازکیش کو بازار علم و ادب میں غایت درجہ احساس کمتری ہے۔ اس صورت میں ناظرین کرام کو اس چھوٹے صحیفہ میں جو قابلیت معلوم ہو تو وہ ناظرین کی اپنی قابلیت کا ہی عکس ہو گا۔ اس کے ساتھ ہر قسم کی غلطیاں بھی متصور ہو سکتی ہیں۔ پس میرے معزز بھائی اس چرتر کے نظموں کو علمی و ادبی نظریہ سے

مشاہدہ فرماویں۔ البتہ حقیقی پریم کے جذبات کا احساس
کر کے شاعرانہ فن کے جملہ نقائص سے چشم پوشی فرماویں۔ بجائیکہ
نیاز کیش علم و ادب اور شاعرانہ فن میں کلیتاً کم بضاعت ہے۔ غالباً
ممکن ہے کہ پریم کے اصول کے زیر نظر ان ٹوٹے پھوٹے نظموں میں بھی
شائقین کو تہنیت مکرر کا لطف میسر ہوگا۔ اگر ایسا ہو تو یہہ میری
عین خوش قسمتی ہوگی:

شاستروں اور بلند پایہ مہاتماؤں نے بھگتی یعنی پریم کی جو
مہما پرگٹ کی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بھگتی گیان سے جدا نہیں۔ بلکہ
گیان بھگتی کے مکمل ہونے پر سہایک ہے۔ پورن گیان ہی پریم ہے۔ اور
پورن پریم ہی گیان واقع ہے۔ پرا بھگتی اور گیان ایک ہی وستو ہیں۔ بھگوان
شری کرشن چندر اپنے شری مکھ سے گیتا میں کہتے ہیں کہ:

''تیشام ستت یکتانام بھجتام پریتی پوروکم۔ ددامی بدھی یوگم تم
ینہ مام اپیانتی تے''

یعنی جس طرح جو منش مجھ میں من نرنتر لگا کر پریم سے میرا بھجن کرتے ہیں
ان کو میں وہ گیان دیتا ہوں جس کے ذریعہ وہ مجھے پراپت کر سکتے ہیں۔
اسی طرح جو منش نرنتر من کو لگا کر پریم سے بھگوان کا بھجن کرتے ہیں
ان کے لیے بھگوان پھر کہتے ہیں کہ:

''شردھاوان لبھتے گیانم'' یعنی بھگت کو گیان کی پراپتی ہوتی
ہے:

پس بھگتی کے زرین اصول کے زیر نظر صرف بھگوان کرشن کے دل خوش
کن چرتر کے خیال سے اور علم و ادب کے نظریہ سے بے نیاز رہ کر یہہ

ناچیز تحفہ ناظرین قبول فرمائیں گے۔ اور اس کے مطالعے سے اگر من میں بھگوان سری کرشن کے پریم کا بھاؤ پیدا ہو۔ تو میں اپنی کوشش میں سپھل ہوں۔ بھگوان کرے کہ میرے پریمی بھائی اس دنیائے فانی کی ہر ایک وستو کو فانی اور آنی جانی والی خیال کرکے ایک پرم پرم آنند دیو کے ساتھ پریم اور بھگتی کو ہی لافانی سمجھکر بھگوان کے شرن میں جاویں۔ اور نرنتر من لگا کر اسکے آتی پریم سے سرشار ہوکر سمرن کریں۔

پھر دیکھیں بہار کیسی بہہ رہو

اوم شبھم

نیاز کیش

رگھوناتھ چمر - سفیر کاشمیری

پرارتھنا

کرشن پورن برہم ہے اور کرشن ہے روحِ حیات　　کرشن ہے صورت نگرِ نقش و نگارِ کائنات
کرشن ہے جانِ جہان، منزلِ راہِ نجات　　کرشن کی ایما پہ ہے موقوف کارِ کائنات

جسکی ذاتِ پاک بے آغاز و بے انجام ہے
ذرہ ذرہ میں اُسی ایشور کا جلوہ عام ہے

کرشن کے خاکِ کفِ پا سے ہیں روشن مہر و ماہ　　کرشن خود ہر روپ میں ہے رونما خود جلوہ گاہ
یہ فلک یہ باد یہ برق اور یہ ابرِ سیاہ　　یہ شجر یہ شاخِ گل یہ سبزہ یہ برگِ گیاہ

باغ و صحرا بحر و بر برگ و ثمر یہ کوہسار
یہ بہار و یہ خزاں یہ صورتِ لیل و نہار

یوگ شکتی سے بنا خود زینتِ عالم تمام　　خود علل خود علت و معلول خود اس کا نظام
جس کی مایا سے ہوا وحدت میں کثرت کا قیام　　معدنِ آنند ہے اور مخزنِ راحت مدام

دیکھتا یوگی ہے شغلِ دھیان میں اسکا ظہور
گیان سے گیانی کو ملتا ہے حقیقت کا سرور

کثرتِ عصیاں سے جب دل تنگ ہوتا ہے جہاں　　دھرم اور اخلاق ہوتا ہے زمانے سے نہاں
اپنے بھگتوں کا سہایک بن کے ایشور بر زماں　　بارہا سا کار کی صورت میں ہوتا ہے عیاں

پاپیوں کے باغِ ہستی کو مٹا کر یک قلم
دور کرتا ہے بساطِ دہر سے جور و ستم

بھگتِ وتسل کرشن کے چرنوں پہ ہے میرا پرنام　　آرزو ہے من میں قایم دھیان ہو اُس کا مدام
آنکھ کی پتلی میں ہو مُرلی منوہر کا قیام　　وردِ لب شری کرشن جی ہو رات دن اور صبح و شام

دھیان میں موہن کے دُنیا کی کچھ آسکتی نہ ہو
زندگی بیکار ہے گر کرشن کی بھگتی نہ ہو　　(آسکتی)

پریم پیا لگاو

پہلا باب

پاپ کی کثرت سے تھا ظلمت کدہ سارا جہاں
ہر طرف سے دھرم کا مفقود تھا نام و نشاں
جبکہ پاپی تھے زمانے میں امیرِ کارواں
پاپ واتیاچار سے ہر سو تھا شورِ الاماں
ہر دلِ ناشاد محوِ نالہ و فریاد تھا　　دھرم کا حامی جو تھا دنیا میں ناکا افتاد تھا

جب اندھیرے میں شعور و ہوش کھو بیٹھے تھے سب　　یاس و حسرت میں پریشاں حال ہو بیٹھے تھے سب
اپنے حالِ زار اور قسمت کو رو بیٹھے تھے سب　　بیکسی میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے سب
تب ہی خود بھگوان کو بھگتوں کے حسبِ مُدعا
شکلِ انسانی میں بہرِ امداد آنا پڑا
کنس کا بھارت میں ہر سو جور و استبداد تھا　　قتل کا غارت گری کا شور تھا بیداد تھا
محوِ خوف و رنج و غم ہر خاطرِ ناشاد تھا　　طائرِ گلزارِ بھارت آشیاں برباد تھا
ہر طرف تھا فکر و آسیب و مصیبت کا سماں
نوحہ گر تھا اس زمیں کی بیکسی پر آسماں

جس قدر راجے تھے سارے کنس کے ہمراز تھے ہمنشین و ہم نوا ہم صحبت و دمساز تھے
ہمدم و ہم مجلس ہم آہنگ ہم آواز تھے سب کے سب برباد ئی مخلوق بے محاذ تھے

دھرم کی گردن تھی خم اور پاپ کا پرچم بلند
دھرم کے حامی تھے محبوس و اسیر قید و بند

دیوکی بسدیو بھی تھے کنس کے زیر عتاب کالے بادل میں نہاں جیسے ہو نور آفتاب
قید خانہ ہی کا دونوں کے لیے جاں کا عذاب آتش سوزاں میں جوں بے بال و پر مرغ کباب

ان کے سب معصوم بچوں کو مسلسل بے قصور
قتل کر ڈالا کہ تا باقی نہ ہو سب ہم فتور

اس قدر ظلم و ستم سے جب زمیں تھرا گئی ساری دنیا اس اندھیرے وقت میں گھبرا گئی
بیکسی اور بے بسی ہر چار سو جب چھا گئی پھر دیا تو ایشوری طاقت میں جنبش آ گئی

دیوکی کے گربھ سے بھگوان نے پایا ظہور
تا کہ اپنے دست قدرت سے کریں آفات دور

پیکر انساں میں بھگوان آ گئے انجام کار باغ عالم میں خزاں ہٹ کر نئی آئی بہار
دیوکی نے پالیے درشن مٹا سب انتشار خاطر بسدیو کو حاصل ہوا صبر و قرار

موہنی صورت نے دونوں دل مسخر کر لیے
دو دل مایوس درشن سے مفخر کر لیے

جو شرن آئے ہوئے بھگتوں کا ہے جائے پناہ نند جی یشودھا کے گھر گوکل میں پائی اس نے پناہ
بے خبر اس راز سے لیکن تھا کنس کج کلاہ تھوڑی ہی مدت میں ہی اس ظالم کو ہونا تھا تباہ

الغرض موہن ہوا ماں باپ کی آنکھوں سے دور
نند اور جسودھا کو قسمت سے ملا دل کا سرور

روہنی ماتا کے تھے بلرام حق نور نظر اور یشودھا نند کے موہن بنے لخت جگر

دونوں بھائی حُسن میں تھے بے نظیر خوشتر — رات دن ہوتی تھی ناز و نعم میں انکی بسر

نند جی یشودھا کے گھر دن رات تھی بزمِ سرور

دودھ ماکھن مال و زر کی فراغت کا وفور

ہر در و دیوار سے تھا سورگ کا منظر عیاں — قبلۂ احزان تھا اِک سرچشمہ باغِ جناں

نند جسودھا حُسن دلکش دیکھکر تھے شادماں — کرشن جی کی موہنی صورت پہ شیدا تھا جہاں

گوپیوں کا کرشن سے الفت کا یہ آغاز تھا

اور حقیقت کا اِسی اُلفت میں مضمر راز تھا

شادماں تھا ہر کوئی گوکل کا بے حد و حساب — ہر گلی ہر گھر میں بجتا تھا دف و چنگ و رباب

ہر شجر ہر شاخِ گل ہر سبزہ تھا مست شباب — اِن دنوں ہر ذرہ گوکل کا رشکِ آفتاب

جس جگہ جسمِ مجازی میں ہو ایشور جلوہ گر

جھکتے ہیں اُس خاک پر اندر اور برہما کے سر

حُسن روز افزوں پہ شیدا ہر کوئی پروانہ وار — موہنی صورت پہ من موہن کے سو جاں سے نثار

عارضِ گلگوں سے تھا نورِ خدائی آشکار — خوشنما گُل سے نئی پیدا تھی گوکل میں بہار

اِس گلِ رنگیں سے رنگیں سرزمیں گوکل کی تھی

عرشِ بالا سے بلندی میں جبیں گوکل کی تھی

کنس کی تحریک سے جب پوتنا آئی وہاں — شیرِ زہر آلودہ سے موہن کو پہونچانی زیاں

ماہرِ رازِ حقیقت کرشن نے کھولا دہاں — دونوں پستاں چُوسکر پھونکا فسونِ جانستاں

پوتنا دم توڑ کر اک دم میں بیجاں ہو گئی

چھوڑ کر دُنیا کو میدانِ فنا میں سو گئی

کھیلنا بچوں سے تھا بھگوان کو مرغوبِ جاں — ساتھ اُن کے ہر زماں رہتے تھے گوال اور گوپیاں

ہر گھڑی اِس بزم میں تھی پریم کی گنگا رواں — تھا زمیں پر یہ سماں فرحت کا رشکِ آسماں

بنسری کی دھن میں تھے مسحور اہلِ دل تمام
مضطرب اور گوش بر آواز تھے ہر صبح و شام

دوسرا باب

اب تو موہن بن چلے گائیں چرانے کے لیے — اپنے بچپن کے زمانے کو نبھانے کے لیے
پریم کا سندیش دنیا کو سنانے کے لیے — اپنے شیداؤں کے دل کو آزمانے کے لیے
بنسری کی راگ کا اعجاز تھا یہ آشکار
چھوٹتا تھا گوپیوں کے دل کا سب صبر و قرار
توڑ کر سنسار کے بندھن وہ یکسو تھیں تمام — بنسری کے نغمہ ہائے جانفزا سے شادکام
کرشن کے ساتھ انکی گذران رات دن اور صبح و شام — کرشن کی صورت پہ شیدا وردِ لب اک کرشن نام
گوپیاں تھیں شکتیاں اور کرشن جی بھگوان تھے
پریم کے قانون سے وہ ایک دل اک جان تھے
گوپیوں کی زندگی تھی وقف موہن کے لیے — تن بھی اور من بھی نچھاور اپنے سجن کے لیے
ہر گھڑی ہر پل ترستی تھیں وہ درشن کے لیے — شوق سے کرتی تھیں وہ تیاریاں بن کے لیے
شاق تھا اک لمحہ بھی دوری میں موہن کے بغیر
جملہ لذاتِ جہاں سے خاطرِ نازک کا سیر
گوپیوں میں رادھکا دیوی کا افضل تھا مقام — جیسے تابانی محفلِ انجم میں ہو ماہِ تمام
حسن کی خوبی میں یکتائے زماں تھی لاکلام — پریم میں بھی کرشن کے سرشار رہتی تھی مدام
کرشن کا دل میں تصور کرشن ہی کا دھیان تھا
کرشن ہی آرامِ جان اور کرشن ہی ایمان تھا

گوپیوں کے پریم کا ہو کس طرح اظہار حال ۔ عشق انسانی ہے بس ہیچ در جا ہیں پایمال
پریم کہتے ہیں جسے وہ آپ ہے اپنی مثال ۔ پریم وہ جذبہ ہے جس ہیں جذب ہیں سب قیل و قال
شاہراہ خاص ہے منزل پہ جانے کے لئے
بے خطر رستہ ہے یہ ایشور کو پانے کے لئے

تیسرا باب

رفتہ رفتہ کرشن جی کو جب شباب آنے لگا ۔ اور سرکش کنس کا دل شک سے گھبرانے لگا
خواب میں ہیکل اجل اسکو نظر آنے لگا ۔ دل ہی دل میں رات دن خوف اجل کھانے لگا
کر لیا قاصد روانہ موہن کو لانے کے لئے
اسکو لاکر اپنی قسمت آزمانے کے لئے

جب چلا اکرور شاہی حکم سے رتھ پر سوار ۔ دل میں اسکو سوچ کر پیدا ہوا صبر و قرار
سوچتا تھا کرشن جی ہیں شکل انسان کردگار ۔ مالک کل ماہر راز نہان و آشکار
خوش نصیبی سے مجھے ہوگی قدمبوسی نصیب
ہے مبارک کام اور وقت سعادت ہے قریب

نند جی کے گھر میں جب اکرور پہنچا شادماں ۔ پوچھتا تھا شام اور بلرام کا نام و نشاں
اتنے میں ہی شام اور بلرام بھی آئے وہاں ۔ پھر عقیدت شفقت اور الفت کا دریا تھا رواں
تھیں ادھر سے پیار کی باتیں ادھر عجز و نیاز
باتوں باتوں میں کھلا اکرور کے آنے کا راز

رات کاٹی صبح کو تیار سب جانے کو تھے ۔ شوق دل سے حکم سلطانی بجا لانے کو تھے
اہل برندابن کو بھی ہمراہ لے جانے کو تھے ۔ اپنے کرتب سبکو متھرا جاکے دکھلانے کو تھے

جبکہ کو چلنا تھا چلے اکرور تھا رتھ پر کھڑا
تھام بھی بلرام جی کو ساتھ لیکر چل پڑا

گوپیوں کا تھا غم افزا اُس زمانِ دردِ فراق — کرشن کی حیرت تھی اُن کے خاطرِ نازک پہ شاق
خاک میں غلطاں دریچیاں تھیں تہ نہیں رواق — گریہ و زاری سے تھی شرم و حیا بالائے طاق

اشک کے موتی لگے عارض پہ ڈھلنے اس طرح
برگِ گل پر قطرۂ شبنم ہے چمکے جس طرح

کرشن سے وہ دیویاں کہتی تھیں اپنا داستاں — موم تھے پتھر بھی سنکر گریہ و آہ و فغاں
اے شفیق دلنواز اے دلربائے جانِ جاں — اے سراپا نازِ باغِ حُسن کے سروِ رواں

جانتے ہو کس باغ کی زینت بڑھانے کے لیے
چھوڑتے ہو ہمکو بارِ غم اُٹھانے کے لیے

کیا ہمارے دل کا اب سوزِ دروں ناکام ہے — کیا ہماری الفت و شفقت کا یہ انجام ہے
پریم کے اوتار کا کیا ہمکو یہ انعام ہے — کیا غمِ فرقت میں اب رونا ہمارا کام ہے

کرشن کو واپس کرے اکرور سنگدل نہ بن
دور کر ہم سب کے دل سے رنج و آلام و محن

چشمِ حیرت میں سے جب اکرور نے دیکھا یہ حال — گوپیوں کا جذبۂ اُلفت جدائی کا ملال
کرشن جی سے یوں کہا اکرور نے خوش خصال — آپ ہی ہیں گوپیوں کی دلدہی کی ہے مجال

ان کی ڈھارس باندھکر الفت سے رخصت کیجیے
دیکھکر سچی لگن دادِ محبت دیجیے

گوپیوں کو کرشن اور بلرام نے سمجھا دیا — رازِ اس دُنیائے ناقص نام کا بتلا دیا
پھر کبھی فرصت میں مل پائیں گے یہ وعدہ دیا — ہر زماں بھگوان کی ہو یاد یہ فرما دیا

کرشن جی بلرام اکرور اب روانہ ہو گئے
گوپیوں سارے کے ہوش اڑ بے ہوشی اور میں کھو گئے

چوتھا باب

اہلِ متھرا کے دلوں میں کرشن کی تھی انتظار — راز مخفی تھا کہ کنس بدگماں تھا تاجدار
واردِ متھرا ہوئے جب رام کرشن آئی بہار — مرد و زن تھے مضطرب سب بہرِ درشن بیقرار

کرشن اور بلرام بازاروں میں جب آنے لگے
لوگ فرطِ شوق سے پھول ان پہ برسانے لگے

کنس کے دھوبی کی تھی بھگوان کے ہاتھوں قضا — چھین کر پوشاک شاہی زیبِ تن خود کر لیا
چلتے چلتے پشتِ خم کبجا کا سیدھا کر دیا — اُس کو پیری کے عوض حسن و جوانی کی عطا

دھنش کو توڑا جو تھا مضبوط مشہورِ جہاں
کنس کے تفویض تھا بھگوان شنکر کا نشان

ایک ہی دن میں کیے بھگوان نے ختم اتنے کام — باغ میں شب کو کیے تھے استراحت شاد کام
صبح کو اب کنسِ بد انجام کا تھا انتظام — پہلوانوں کا ملا تھا اُسے اب انتقام

پہلوانوں کا اکھاڑا گرم تھا اور منتظر
کنس بد اندیش اپنے تخت پر تھا جلوہ گر

قصرِ شاہی کی طرف وہاں سے روانہ ہو گیا — سنگتی اُس کے ساتھ تھے اور رام بھی ہمراہ تھا
پہلی ڈیوڑھی پر ہی اک بدمست ہاتھی تھا کھڑا — راستہ جانے کا تھا بند اور وہ رستہ تھا گھرا

شام اور بلرام کا اعجازِ قدرت تھا یہی
ایک حملہ میں ہی ہاتھی گر پڑا اور جان دی

تھے اکھاڑے میں تماشائی سبھی خاص و عوام — شام اور بلرام کی صورت سے تھے وہ شاد کام
نازک اندامون کو تھا چند و را وہ تنگ آتے کام — اونچے مسند پر تھا زیبِ تخت کنسِ بد لگام

جب ہوئے نبرد آزما دونوں بہادر زوردار
شام اور بلرام کے اک وار سے دونوں تھے پار

ہاتھ میں بھگوان نے لی جلد تر اک تیغ تیز
کنس کو اپنی جگہ سے اب نہ تھی راہِ گریز

اک لگا سے ہی گرایا تاج کنسِ بدتمیز
اور کیا اک وار سے اُس کو جہاں سے رستخیز

کنسِ بدخو ہو چکا اب راہیِ ملکِ عدم
دھرم کے حامی تھے شاد اور پاپیوں کا سر تھا خم

خاک و خوں میں مل گیا تاج سرِ فرماں روا
روح شہزوروں کی جس کے دم سے ہوتی تھی فنا

سارے منصوبے ملے مٹی میں جب آئی قضا
دم کے دم میں ہو چکی معمور متھرا کی فضا

ایسے ظالم کی ہوئی اس طرح سے مٹی خراب
اک گنہ آلودہ کی جس طرح سے روزِ حساب

دیوکی بسدیو سے مل کر پھر دونوں نامدار
آ گیا ماں باپ کی خاطر میں تسکین و قرار

لے لیا آغوش میں دونوں کو بے صبر و قرار
ہر طرف سے اب خزاں مٹ کر گئی آئی بہار

کرشن کی ماں باپ تھی یہ اور کرشن کا ابھی نہ تھا
کنس کا قیدی بلا سے میں ستاہ باسجاز تھا

پانچواں باب

اب سداما کی کہانی کو کریں گے ہم رقم
جس کے سننے سے مٹینگے پاپ اور رنج و الم

پریمیو ہو دل میں فرحت اور شادی و فرحت بہم
کچھ سمجھ آئے گی بھگتوں کی فضیلت بیش و کم

چھوڑ کر آشا سبھی دنیا سے نا انجام کی
کس طرح سچے بھگت نے اپنی کشتی پار کی

عالمِ طفلی میں جب تحصیل ودیا کیلئے — کرشن کے اُستاد ساندیپن مقرر ہو گئے
کرشن کے ہم مکتب اک ساتھی سداماں جی بھی تھے — دونوں منظورِ نظر اُستاد کامل کے ہوئے

ایک ہی چشمہ سے دونوں آب جو[1] تھے فیض یاب
ایک منبع سے ہی دونوں کام جو تھے کامیاب

خدمتِ اُستاد میں دونو کمربستہ مدام — صادق دل سے تابع فرماں تھے مثلِ غلام
دونوں سے ان کا گرو محظوظ تھا اور شادکام — ان خوش اطواروں کو بھی تعلیم حاصل جمع و تمام

لکڑیاں لانے کو اک دن بَن[2] گئے دونوں رواں
دونوں بھوکے تھے مگر دن بھر رہے بے آب و ناں

ساتھ کچھ چنے سداماں کو تھے کھانے کے لئے — کھا رہا تھا وہ ساتھی سے چھپانے کے لئے
کرشن جی نے اُس سے بولا آزمانے کے لئے — کھا رہے کیا ہو مجکو بھی کچھ دو چبانے کے لئے

شومِ بختی سے سداماں نے دیا کورا جواب
یہ سداماں کی نحوست کا تھا آغازِ حساب

یہ مسلم ہے کہ انساں کام میں مختار ہے — فہم و دانش میں ہر اک جانداروں کا سردار ہے
اپنے اعمالوں کی خود تعمیر کا مختار ہے — اس لئے انساں خود اپنا دشمن اپنا یار ہے

خود اجر پاتا ہے اپنے ہی کئے کا ہر بشر
خود فراموشی میں رکھتا ہے وہ غیروں پر نظر

طمعِ نفسانی سے گم ہوتا ہے اخلاق و شعور — طمعِ نفسانی سے دو دل ہوتے ہیں باہم نفور
طمعِ نفسانی سے آتا ہے محبت میں فتور — طمعِ نفسانی سداماں کو ہوا وجہ قصور

بخشدیتا اک مٹھی چنے کی گر بھگوان کو
اوج[3] پر پہونچاتا اپنے بخت کو اور شان کو

کرشن نے لایا نہ کچھ حرفِ شکایت بر زباں — جس طرح پہلے تھا اب بھی دوست پر تھا مہرباں

[1] پانی کا متلاشی
[2] جنگل
[3] اوج یعنی بلندی

لکڑیاں لیکر ہوئے جنگل سے اب گھر کو رواں　　اور رہے تعلیم میں مشغول دونوں شادماں

الغرض مدت تک ایسا ہی رہا دونوں کا حال
پا گئے دنیا میں دونوں رتبۂ اوج و کمال

بن گئے بھگوان کرشن اب دوارکا کے تاجدار　　اور سداماں بخت برگشتہ تھا مصائب کا شکار
حاکم قدرت نہاد ، یہ بدنصیبوں میں شمار　　رازق کونین وہ ، یہ فاقہ مستی سے نزار

تابع فرماں اُس کے دولت اور عیش تمام
بیکسی اور خستہ حالی سے یہ نالاں صبح و شام

اپنے اعمالوں کا پھل انساں کو ملتا ہے مدام　　کوئی مفلس اور کوئی آسودگی سے شادکام
یہ اٹل قانونِ قدرت ہے نہیں اس میں کلام　　بستۂ زنجیرِ تقدیر ہیں کے خاص و عام

بھوگ کرموں کا ہر اک ذی روح کی تقدیر ہے
گردشِ تقدیر میں ناکام ہر تدبیر ہے

دوارکا تھی بیگماں رونق میں فخرِ روزگار　　قصرِ عالی شاں فلک پیما قطار اندر قطار
چار سو نہریں رواں رشکِ جناں باغ و بہار　　تختۂ گل گشت انبساطِ دل سے ہر سو گلعذار

موت سے ناآشنا بیماریوں سے بے خبر
لوگ سب آفات و آسیبِ جہاں سے بے خطر

کرشن کا تھا دوارکا میں شان و شوکت سے قیام　　گرم تھی بزمِ سرور و شادمانی صبح و شام
رانیوں بچوں میں تھے محظوظِ دل محوِ کلام　　یاد آتا تھا کبھی دل میں سداماں کا بھی نام

اک کرشمہ جسکی قدرت کا ہے ساری کائنات
اُس سے پوشیدہ ہے کیا پوشیدنی ہے کون بات

تھا سُداماں اپنے گھر میں بستۂ زنجیرِ غم   اُس کی رانی تھی سوشیلا پیکرِ رنج و الم
تھا نہ باقی اُس کے گھر میں کچھ اساسہ بیش و کم   جس پہ گذران اُنکی ہوتی کچھ معاش آتا بہم

فاقہ مستی سے فقط دونوں کی ہوتی تھی بسر
تھا سُداماں یاد میں بھگوان کے شام و سحر

تنگ جب آئی سوشیلا یوں سُداماں سے کہا   غربت و افلاس کی اب ہو چکی ہے انتہا
مُدتوں سے رنج و کلفت میں ہیں دونوں مبتلا   کون ہے جو اب ہمیں اِس قیدِ غم سے دے چھڑا

دین بندھو کرشن جی تیرا لڑکپن کا ہے یار
جاکے اُس کے پاس ظاہر کر تو اپنا حالِ زار

جب سُداماں نے سُنیں باتیں سوشیلا کی تمام   سُن کے وہ بولا میں مفلس ہوں وہ ہیں ذی احتشام
یہ کہاوت ہے کہ دستِ نارسا رفعت میں بام   عشق لاحاصل ہے ذرہ مہر سے ہو ہمکلام

گرچہ میری اُن کی سیوا میں رسائی ہے محال
ساتھ کچھ سوغات لینے کا بھی رکھنا ہے خیال

اب سوشیلا جی کو تھی سوغات کی بے حد تلاش   فکرِ سوغات اِک طرف اور اک طرف فکرِ معاش
تنگدستی کس قدر ہے بہرِ انسان دلخراش   اِس عدو رنگ آسماں سے جانِ من ہشیار باش

ہو گئی مقصد میں مشکل سے سوشیلا کامیاب
چاولوں کی ایک دو مُٹھی کو کر کے دستیاب

دلِ سُداماں کا تھا شوق اور شرم سے اب ہمکنار   شوقِ درشن بھی مگر ذلت سے جانے میں بھی عار
دو تضادوں سے دماغ اُس کا تھا محوِ انتشار   دو خیالوں کے تصادُم سے دلِ اُس کا تھا نزار

سوچتا تھا میں ہوا مفلس کرشن ہیں شاہوں کے شاہ
سامنے اُن کے میں کیسے جاؤں با حالِ تباہ

اب سوشیلا جی نے سمجھایا اُسے ای جانِ جہاں   کرشن جی کو کیوں سمجھتے ہو فقط شاہِ شہاں

وہی ایشور، وہ ہیں ہر فرد بشر کے رازداں   وہ محیط جزو کل ہیں وہ نہاں ہیں وہ عیاں

اُن کے درشن سے ہی مٹ جائیں گے رنج و غم تمام

ملتے ہی ہو جاؤ گے تسکین دل سے شاد کام

کرشن کی صورت سداماں کو تھی دل میں جاگزیں   موہنی صورت تھی اُس کے نہاں خانۂ دل میں مکیں

یاد میں بھگوان کے دلشاد تھا اپنے تئیں   تھی شکن سے پاک صبر و شکر میں اُس کی جبیں

دردِ لب ایشور کا نام اور گیان سے معمور تھا

جملہ لذاتِ جہاں کی حد سے کوسوں دور تھا

ولولہ تھا اور تڑپ تھی کرشن درشن کی اسے   صدقِ نیت سے لگن تھی اپنے محسن کی اسے

خواہشوں سے پاک چاہت تھی نہ کچھ دھن کی اسے   کھانے پینے کی ہوس پروا نہ کچھ تن کی اسے

پاکباز اور صاف دل رنج و کدورت سے نفور

اور ہر بھو کے دھیان میں ہی تھا اسے دل کا سرور

دوارکا کا اب سداماں کو اٹھا غالب خیال   چل پڑا وہ دیکھ کر اچھا شگون اور نیک فال

دھرم کی صورت سوشیلا مفلسی سے تھی نڈھال   کہتی تھی سوامی کو اچھا جاؤ اب روشن ہے حال

دین بندھو کو اگر تجھ پر دیا آ جائے گی

فرحت و آسودگی یکدم بہم ہو جائے گی

دھیان میں بھگوان کے تھا اب سداماں گامزن   کرتی اور دھوتی پھٹی میلی کچیلی زیب تن

چھوڑ کر آشا جگت کی کرشن چرنوں میں مگن   توڑ کر بندھن سبھی جوڑا فقط ایشور سے من

چاولوں کی پوٹلی کو تھام کر چلتا رہا

محوِ یکسوئی جہاں سے بے خبر چلتا رہا

منزلِ مقصد پہ پہونچا دوارکا آئی نظر   سامنے آنکھوں کے تھا فردوس رضواں جلوہ گر

کرشن جی کو تھی سداماں جی کے آنے کی خبر   حال سے واقف تھے وہ گو راز تھا پوشیدہ تر

خود بدولت پیشوائی کو ہوئے چل کر رواں
اور سداماں کو لیا آغوش میں بے این و آں

کرشن کے آگے سداماں تھا بصد عجز و نیاز — مست شوق دید دنیا کی ہوس سے بے نیاز
جیسے بینائی سے اندھے کی ہوں آنکھیں سرفراز — شاد تھا ہو کر میسر وصلِ یارِ دلنواز

جیسے ہو کنگال کوئی مالکِ انبارِ زر
تھا سداماں کو متاعِ زندگی پیشِ نظر

ہو گیا محلات میں داخل سداماں شادماں — میزباں سری کرشن جی تھے اور سداماں میہماں
اک پلنگِ زر پہ بٹھلایا گیا با عز و شاں — اتنی عزت کا سداماں کو نہ تھا وہم و گماں

رکھمنی اور کرشن جی نے دھو لیے مہماں کے پیر
اور پھر اس کو کیا مرغوب دل بھوجن سے سیر

سوچ تھا دل میں سداماں کو کہ میں ہوں اک گدا — کچھ نہ کچھ بھگوان کو پہچان میں دھوکہ ہوا
میں فقیرِ بے نوا ہوں وہ ہیں ذاتِ کبریا — عزت افزائی مری کس طرح رکھتے ہیں روا

کرشن انتریامی اب گویا سداماں سے ہوئے
مدتوں کے بعد پیارے آپ کے درشن ہوئے

یاد ہے پیارے اکٹھے کس طرح پڑھتے تھے ہم — مل کے سادیپن کی سیوا پیار سے کرتے تھے ہم
شغل پڑھنے کا بھی رہتا تھا کبھی پھرتے تھے ہم — چڑھتے تھے گاہے درختوں پر کبھی گرتے تھے ہم

تابعِ حکمِ گرو لاتے تھے بن سے لکڑیاں
اور کبھی چنے چبا جاتے تھے تم مجھ سے نہاں

حال کچھ اب بال بچوں کا کہو تم دوستا — عمر گزراں کس طرح کرتے ہو ہمکو دو بتا
گھر سے کچھ سوغات بھی میرے لیے لائے ہو کیا — ہاں تو کھا دو مجھ کو اس سوغات کی ہے اشتہا

شرم سے غرقِ ندامت تھا سداماں سر بسر
تحفہ ناچیز تھا اپنا اسے زیرِ نظر

پوٹلی چاول کی پوشیدہ بندھی دھوتی میں تھی — پریم سے بھگوان نے ہاتھوں سے اپنے کھولدی
ایک دو مٹھی پہلے اپنے منہ میں ڈال دی — لطف سے کھانے لگے پر سامنے تھی رکھمنی

ہاتھ روکا اور یوں کہنے لگی بھگوان سے
بخشتے جاتے ہو کیوں سنسار کی ثروت اسے

رکھمنی دیوی سے تب بھگوان نے ہنسکر کہا — مجھکو بے حد لطف یہ چاول چبانے سے ملا
پریم مارگ ہے الوکھا اس سے ہونا آشنا — مل گیا امرت سے بھی بڑھکر مجھے اس میں مزا

جو زمیں پر تھے گرے دانے وہ سب اٹھوا لیے
اور مزا لے لے کے تب بھگوان سارے کھا لیے

چھٹا باب

آرزو درشن کی جب پوری سداماں کو ہوئی — خانۂ دل ہو چکا فکر و تردد سے تہی
بال بچوں کی یکایک اسکو تب یاد آگئی — مفلسی کو یاد دلا کر لب پہ فریاد آگئی

استدعا بھگوان سے رخصت کی اب کرنے لگا
گھر کی حالت سوچ کر آہوں کا دم بھرنے لگا

گھر سے جس مقصد سے آیا تھا رکھا دل میں نہاں — مطلقاً کھولی نہ مطلب کے لیے اس نے زباں
گرچہ اس کے گھر میں مدت سے تھا غم قحط آب و ناں — دل سے راضی تھا رضا پر گرچہ نہیں ہو یا چہاں

وہ بھگت تھا اس کو تھی بھگوان سے سچی لگن
مانگنا مرنا برابر جانتا تھا اس کا من

ہنسکر بھگوان نے رخصت سداماں کو کیا — پا کے رخصت پھر سداماں گھر روانہ ہو گیا
سوچتا تھا دل میں خالی ہاتھ اب جاؤں گا کیا — منتظر ہوگی سوشیلا اُس کو بتلاؤں گا کیا

پھر بھی خوشدل تھا قدمبوسی ملی بھگوان کی
نیک بختی اس میں مضمر ہے ہر اک انسان کی

با دلِ ناشاد جب وہ آ گیا گھر کے قریب — کچھ نشانِ گھر کا نہ تھا موجود حالت تھی عجیب
ہر طرف نگراں تھا آنکھیں پھاڑ کر بیکس غریب — جُوں تلاشِ بوستاں میں مضطرب ہو عندلیب

دل میں کہتا تھا سوشیلا کا کروں کیسے تلاش
ہو گئی مجھ سے جُدا افسوس وہ ہم معاش

گر سوشیلا ہو گئی مفرور گھر کو کیا ہوا — قصرِ عالی شاں یہ کس کا دیکھ پڑتا ہے کھڑا
اپنے آنکھوں نے ہی مجھکو آج کیوں دھوکا دیا — ہر طرف سے ہے مرے مسکن کا منظر ہی نیا

کچھ دنوں میں ہی دگرگوں حالتِ تقدیر ہے
خواب کا منظر تھا وہ یہ خواب کی تعبیر ہے

جب سُداماں تھا غریقِ بحرِ آلام و محن — سامنے اُس کے ہوئی ظاہر سوشیلا خندہ زن
گر پڑی پیروں پہ اور کہنے لگی اے جانِ من — خوش نصیبی میں مُبدل ہو چکا حالِ کہن

کیجئے اب دُور دل سے فکر و رنج و غم تمام
اپنے محلوں میں قدم رکھیے گا اب با احتشام

کچھ سمجھ میں ہی نہیں آئی سُداماں کو یہ بات — اور سوشیلا کی طرف اُس نے نہ کی کچھ التفات
فی الحقیقت تھا سُداماں اک بھگت اور نیک ذات — پاکبازی میں سوشیلا بھی تھی فخرِ کائنات

پر ذرا شک سے سوشیلا کی طرف نگراں تھا وہ
حالتِ موجودہ اُس کی دیکھ کر حیراں تھا وہ

پھر بشاشت سے سوشیلا نے کہا اے جانِ جاں — در حقیقت ہو گئے بھگوان تم پر مہرباں

آپ کے خاطر ہوئی اک پل میں یہ مایا عیاں — قصرِ عالیشان فلک پیما و باغِ دلستاں
مال و دولت کی وفوری نوکر و چاکر تمام
منظرِ رضواں بنا یہ آپ کا جائے قیام

ساتھ اپنے اب سوشیلا نے سداماں کو لیا — اور نئے محلات میں وہ محوِ نظارہ ہوا
ہر در و دیوار ہر شے کی تھی زینت دلربا — ہر قدم پر اُس کو جنت کا تھا منظر رونما
دست بستہ نوکر و چاکر غلامی کے لیے
آ گئے سب اپنے آقا کی سلامی کے لیے

سوچتا تھا خواب کا نقشہ کہ بیداری ہے یہ — مفلسی میں مال و ثروت کی عملداری ہے یہ
بیکسی کل تھی نظر میں آج سرداری ہے یہ — کرشن کے اعجازِ قدرت کی فسوں کاری ہے یہ
اک نگاہِ لطف سے بھگوان کے یہ سب ہوا
اُس پربھو کو بھول کر اِس مال و زر میں لطف کیا

اب سداماں کو ہوا احساسِ حقیقت کا وفور — گیان اور ویراگ کا پیدا ہوا آنکھوں میں نور
اب پربھو مایا نظر آنے لگی نزدیک و دور — کرشن کی بھگتی نے پایا شیشۂ دل میں ظہور
ہو گیا محسوس دولت پر نہیں سُکھ کا مدار
دائمی سُکھ کا ہے ایشور کی شرن پر انحصار

ایک وشنو ست ہے اور ست ہے فقط ایشور کی ذات — ذات سے پیدا ہوئے نام و صفاتِ کائنات
نام و صورت کی یہ مایا ہے سراسر بے ثبات — کب است پربھو مت ہے ماہرِ راہِ نجات
پریم میں بھگوان کے سرشار مایا سے نفور
پریم سے ہے گیان حاصل گیان میں لطف و سرور

ساتواں باب

پانڈووں کے سر پہ جب پہونچا مصیبت کا سماں — نوحہ گر تھا اُن کے حالِ بیکسی پہ آسماں
کھو نے تاج و تخت عقل و ہوش و راحت کا نشاں — سرنگوں اجلاسِ دریودھن میں تھے بے آب و ناں

دروپدی دیوی جو تھی عقل میں بھی بے نظیر
حکمِ دریودھن سے تھی دستِ دوشاسن میں اسیر

کھولتا جاتا دوشاسن دروپدی کا تھا لباس — اور برہنہ کرنے کو تیار بے خوف و ہراس
اہلِ محفل جس قدر تھے مہر لب آس پاس — چشمِ حیرت بیں سے محوِ دید پانڈو تھے اداس

بے بسی میں دروپدی تھی رنج و غم سے پائمال
چھوڑ کر سب آس من میں کرشن کا باندھا خیال

دوارکا ناتھ اے شفیق و مونس غمخوارگاں — اے انیسِ بیکساں اے چارۂ بیچارگاں
گمرہوں کے رہنما اے یارِ خاک افتادگاں — داورِ ارض و سما اے مالکِ کون و مکاں

ظالموں کے چنگ میں دل تنگ و بیکس ہوں پھنسی
میرے حالِ زار پر کورو اُڑاتے ہیں ہنسی

تو معاون بیکسوں کا عاجزوں کا غمگسار — تو ہی تو ہے جس پہ میرے آبرو کا ہے مدار
تو محافظ بن میرا اے صاحبِ ذی اقتدار — میں شرن آئی ہوں بے آرام بے صبر و قرار

تب دیا تو کرشن کی شکتی نے یوں پایا ظہور
دروپدی کے تن پہ پیراہن ہوئے بے حد وفور

کھینچتے کھینچتے دوشاسن کی ہوئی طاقت تمام — گو ہوس باقی رہی پر سعی باطل نا تمام
قلزمِ حیرت میں ڈوبے اہلِ محفل لاکلام — تھک کے جا بیٹھا دوشاسن دروپدی بھی شاد کام

دریودھن کا چھوٹا بھائی

اِس طرح اعجازِ قدرت کرشن جی کا تھا عیاں
بھگت وتسل کرشن کی توصیف کیا کچھ ہو بیاں

بھگوان کرشن کے چرنوں میں

کرشن تو ہی منبع فضل و سخا و جود ہے — تو ہی معبودِ جہاں تو منزلِ مقصود ہے
تیرے ذکرِ خیر سے رنج و الم مفقود ہے — تیری بھگتی میں ہی مضمر سود اور بہبود ہے
نام رٹنے سے ہی کٹتے ہیں غم و رنج و ملال
دھیان سے پاتا ہے انساں رتبۂ اوجِ کمال

کس کے پیروں پر پڑوں میں کون ہے تیرے سوا — مخلصی کیسے ہو میری گر نہ ہو تیری کرپا
جیو ہیں مایا کے پھندے میں اسیر و مبتلا — کوندتی ہیں بجلیاں غفلت کی طوفاں ہے بپا
دکھ بھری دنیا سے عاجز ہوں تو ہے عاجز نواز
تو دیا ساگر ہے کر اپنی دیا سے سرفراز

تو ہے مایا سے پرے مایا ہیں تو ہی جلوہ گر — تو تماشا تو تماشائی ہے تو ذوقِ نظر
عجز سے ونتی پربھو میری ہے ہر شام و سحر — کیجئے اب مجھکو مایا کے اثر سے بے خطر
نام و شہرت جاہ و حشمت کی نہیں چاہت مجھے
رات دن بس آپ کی بھگتی میں راحت ہے مجھے

چھوڑ کر امیدِ احبابِ جہاں نے مہرباں — آپڑا در پر ترے اے محرمِ دردِ نہاں
کھل گیا عقدہ مری دل کی ہوسناکی کا یاں — رازِ الفت ہمنشینوں کا ہوا سارا عیاں
منظرِ عالم مری آنکھوں میں بے توقیر ہے
جلوہ گر چشمِ تصور میں تری تصویر ہے

ہاتھ کیا خاک آگیا آخر خیالِ خام سے ۔ خواہشِ جاہ و حشم سے عزت و اکرام سے

لذتِ بزمِ طرب افزا سے مے سے جام سے ۔ صحبتِ ناحق شناس اصحابِ بدانجام سے

خودسری سے مستی و نخوت سے کج فہمی سے آہ

کرچکا ہوں اپنی ہستی اپنے ہاتھوں سے تباہ

خود فراموشی میں خودداری کو خود گم کر چلا ۔ زندگی میں دستِ حسرت ملتے ملتے مر چلا

چند روزہ زندگی برباد غفلت کر چلا ۔ خودکشی کا بارِ عصیاں اپنے سر پہ دھر چلا

یوں ہوئی لہو و لعب میں رائگاں عمرِ عزیز

بھول کر انسانیت کی شانِ ادراک و تمیز

مائلِ دنیا ہے کیوں تو اے دلِ دنیا پرست ۔ بھول کر انجام کار اپنا ہوا بدحال و مست

ہر طرف ہے موج زن بحرِ فنا بالا و پست ۔ کھیل بچوں کی ہے شادی و غمی فتح و شکست

ہوش پیدا کر حباب آسا ہے ساری کائنات

ہے چلاچل کی رواں بادِ فنا ہر شش جہات

ایک صورت پر نہیں ہے گردشِ لیل و نہار ۔ ایک حالت پر نہیں ہے دہر کو دم بھر قرار

اس مجازی نام و صورت پر نہیں کچھ اعتبار ۔ ہے کہیں فصلِ خزاں وہ ہے کہیں فصلِ بہار

ہے دلِ شاداں کہیں اور دیدۂ پرنم کہیں

محفلِ شادی کہیں اور محفلِ ماتم کہیں

منظرِ خوابِ شبینہ ہے گلستانِ جہاں ۔ پل میں مثلِ برق ہو جاتا ہے آنکھوں سے نہاں

گام زن ہیں روز و شب سوئے عدم پیر و جواں ۔ راز کھل جاتا ہے جب آتی ہے یادِ رفتگاں

حیف اس دنیائے فانی پر فدا ہو جائیں ہم

بندِ غفلت میں بندھے سولی پہ یوں سو جائیں ہم

اس عروسِ دہر کا اے دل تو شیدائی نہ بن ۔ کھو کے عقل و ہوش اے مدہوش سودائی نہ بن

واقفِ اسرار بن تصویرِ رسوائی نہ بن ۔ التجا ہے باز آ دستِ تمنائی نہ بن

اب نہ اے خوابیدہ قسمت محوِ خوابِ ناز رہ
بکھ رہا ہے آسماں کچھ گوش بر آواز رہ

شاد ہے دل میں سفیرِ اب کرشن کی بھگتی ملی
جو تھی تمنا اور غم و افکار سے مکتی ملی

دکھ بھرے سنسار کی من کو نراسکتی ملی
راست باطل کی تمیز و ہوش کی شکتی ملی

دھیان ہے نقشِ جگر مرلی منوہر کا مجھے
وردِ لب ہے نام اک گوپال گردھر کا مجھے

پہلا بھجن

اے کرشن نہ آئے گا بھلا کون
ہاں تیرے سوا دل میں سمائیگا بھلا کون

بگڑی ہوئی حالت ہے بنائیگا بھلا کون
تیری ہی پریم کٹیا ہے بنھا گھیا بھلا کون

تیرے سوا بھارت کا چمن وقفِ خزاں ہے
ہر طائرِ گلزار یہاں محوِ فغاں ہے

آجا کہ تیری صورتِ زیبا پہ ہوں مفتوں
اے مالکِ دل ہو چکا فرقت میں جگر خوں

مفقود ہے آرامِ دل و جاں ہیں غم افزوں
شیدا ہیں ترے مضطرب حالت ہے دگرگوں

اک بار دکھا بانکی ادا بنسری والے
رنج و غم و کلفت سے چھڑا بنسری والے

دولت کی نہ چاہت ہے نہ راحت کی تمنا — دنیا کے بکھیڑوں کی نہ عقبےٰ کی ہے پروا
جینے کی ہوس موت کا خدشہ نہیں اصلا — نامحرمِ الفت ہوں محبت ہوں سراپا

اک داغ ہے مدت سے ترے ہجر کا دل پر
مل آن کے اے ماہرِ اسرار کرم کر

ہر پلاد کے خاطر ہوئے مشہود جیک آن — اک بھگت کی رکھشا کے لئے آ گئے بھگوان
سنسار میں غل مچ گیا ظالم کی جولی جان — معصوم کی بھگتی سے سب بھگتوں کی بڑی شان

حیران ہوں یہاں اب کوئی پرہلاد نہیں ہے
اور پریم کے دھن سے کوئی دلشاد نہیں ہے

معصوم بھگت دروہوا ماں باپ سے نومید — چھوڑی جگت آشا رکھی بھگوان کی امید
بھگوان نے بخشی اسے وہ دولت جاوید — تاباں ہے فلک پر وہ مثالِ مہ و خورشید

بھگوان نے درشن دئے خود صورت انسان
اک پریم کے جذبہ میں یہ تاثیر ہے پنہاں

دُرباسا کے آنے سے ہوئی دروپدی حیران — بوجن نہ تھا موجود ہوئی دل میں ہراساں
تب محو ہوئی دھیان میں بھگوان کے نالاں — من سے ہی شرن ہو گئی باحال پریشان

بھگوان اسی دم ہوئے پیشِ نظر اظہار
معدوم تھے سب اس کی کرپا سے غم و افکار

بھگوان دیا بولیں خود بھگتوں کے نگہبان — ارجن کے بنے فرط محبت سے وہ رتھبان
دل کھول کے رن بھومی میں ہی سکھو دیا گیان — وہ گیان کہ جس سے بڑھی دنیا میں اُسے شان

ارجن کو ہوئی راحت جاوید میسر
دایم وہ رہا کرشن کی شفقت سے مفخر

راج کماری میرا

میرا کے دل و جان میں فقط کرشن سمایا — بھگتی میں اُسے کرشن ہر اک سو نظر آیا
نظر آئی اُسے سانپ میں بھی کرشن کی چھایا — امرت بنا وہ زہر کہ تھا اُس نے جو کھایا

وہ مست محبت تھی وہ تھی پیکر امید
کرتے ہیں سب اس پریم کی دیوی کو نمسکار

بھگت سورداس
,, تلسی داس
چیتنیہ مہاپربھو

وہ سور وہ تلسی وہ کبیر اور وہ چیتن — جیون ہوا جن کا فقط اک پریم کے ارپن
بھگتی کے وہ دلدادہ وہ تھے پریم کے مخزن — اُن سے ہی ہر اک وادئ پُرخار تھی گلشن

اس طرح سے بھگوان کو بھگتوں نے جگا دیا
اور پریم کا سنسار کو سندیش سنایا

اب پریم سے خالی ہے فقط گیان کا چرچا — بُو باس سے خالی ہو جوں گلدستۂ زیبا
ویاکھیانوں کی بہتات سے ہر سو ہے تماشا — کانوں کے پھٹے پڑتے ہیں کہ وہ شور ہے برپا

پر عشق حقیقی یہاں ہر دل سے نہاں ہے
اب پریم کا وہ سوز وہ انداز کہاں ہے

خاموش سفیر ایک ہی رستہ پہ تو اب چل — نزدیک تر آتا گیا اب وقت چلا چل
سب عقدۂ دل کا سنسار میں ہے ایک فقط حل — یہ حل ہے وہ جس پہ ہیں سب اہل نظر مائل

بھگتی ہے بس بھگوان کی اکسیر جہاں میں
مکتی کی یہی ایک ہے تدبیر جہاں میں

بھجن

دیو کی نندن تیری تصویر زیبا پر کبھی
جان و تن اپنا نچھاور کرتی تھیں سب گوپیاں
ہر دلِ شیدا میں تیرے حُسنِ دلکش کی تھی یاد
آنکھ میں تیرا تصوّر نام تھا وردِ زباں
ہر طرف سے پریم و اُلفت کا تھا دریا موج زن
ہر زباں پر تھا دِل افزا کارناموں کا بیاں
تیرے نغموں کے اثر سے رنج و غم معدوم تھے
چار سو یکساں نظر آتا تھا فرحت کا سماں
بنسری کی دھُن میں مستِ بادہ اُلفت سے سب
خود فراموشی میں تھا کس کو غم سود و زیاں
تیرے قدموں سے بیاباں رشکِ گلشن تھے تمام
تیرے حُسنِ جانفزا سے دشت تھے رشکِ جناں
جھومتے اشجار تھے اور رقص کرتی تھی صبا
ساتھ جب گوؤں کے ہوتے بنسری لبپر رواں
داست چپ سے چل رہی تھی ناز سے گوالوں کی فوج
چاند کے ہمراہ جیسے محفلِ سیارگاں
آپ کی ہر چال سے پیدا تھی شانِ دلبری
اور ہر انداز سے تھی شانِ محبوبی عیاں

اپنی مایا سے جو دُنیا میں ہوا خود جلوہ گر
اُس کے حُسن و زینت و عظمت کا کیا کچھ ہو بیاں
آتما بنکر تنِ خاکی میں گل میں ہو رنگ و بُو
تازہ گی گلشن میں مہر و مہ میں نورِ ضو فشاں
جس کی ہستی سے ہے قایم ہستئ ارض و سما
ذرۂ انوار ہیں جس کے منوّر ہے جہاں
وہ سراپا نورِ حق وہ منبعِ دریائے حُسن
پریم کا اوتار تھا شیدا تھیں اُس پر گوپیاں
ساتھیوں کے امتحانِ طرزِ اُلفت کے لیے
ہو گئے اِک بار موہن اُن کے آنکھوں سے نہاں
جُستجو میں چھان مارے گوپیوں نے چار سو
دشت و کوہسار و بیاباں پر نہ ہاتھ آیا نشاں
چاند اور تاروں سے کرتی تھیں وہ استفسارِ حال
ہر گل و اشجار سے کرتی تھیں حال اپنا بیاں
نازنیں پیروں میں کانٹے چُبھ گئے چھالے پڑے
فرطِ غم سے اشکِ خونیں دیدۂ تر سے رواں
چاندنی میں گل کے سایہ پر تھا دھوکا کرشن کا
ہر شجر پر کرشن کی صورت کا پیدا تھا گُماں
منتظر تھیں آنکھیں مضطرب دل لرزہ بر اندام تھا
خامشی تھی پاس میں ناکام تھا حرفِ زباں

حد سے بڑھکر بھی تجسس سے نہ تھا تسکین نصیب
حسرت افزا تھیں نگاہیں سب کی سوئے آسماں
ماہرِ رازِ حقیقت کرشن جھٹ پیدا ہوئے
جیسے شیداؤں میں اپنے وہ بھی تھے مِل کر رواں
ماہِ کامل جیسے پیدا ہو شبِ دیجور میں
دشتِ فرقت میں پیارے کرشن کو دیکھا عیاں
مِل گیا گویا گدائے بینوا کو گنجِ زر
عارضِ تر کرشن کا جب دیکھتی تھیں گوپیاں

کرشن کی فرقت میں اب بھی بیقراری ہے وہی
کرشن درشن کی تڑپ میں آہ و زاری ہے وہی

درو پدی کے سر پہ جب آفت کا ٹوٹا تھا سماں
کھینچکر محفل میں لائے تھے اُسے اہلِ جفا
چار سو ہنگامہ آرا تھی بد اندیشوں کی بزم
اور دریودھن بُرے افعال کا تھا رہنما
حسرت افزا اس جبیں کی صورتِ معصوم تھی
خوشنما کوئل تھی گویا بستہ دامِ بلا
اِک طرف تھی بیکسی اور پاسِ عزت اک طرف
سینہ سوزاں اِک طرف اور لب پہ آہِ نارسا

عارضِ گلگوں پہ ڈھلتے اشک کے موتی تھے یوں
برگِ گُل پر قطرۂ شبنم چھلک دے جیوں صبا
صدقِ دل سے کرشن جی کا من میں تب باندھا خیال
اور یوں کہنے لگی اے داورِ ارض و سما
میری عزت دو گھڑی تک خاک میں ملنے کو ہے
اس مصیبت سے مفر ممکن نہیں تیرے سوا
سرنگوں میرے نگہباں محوِ خاموشی ہیں سب
میرے حالِ زار پر خنداں ہے دشمنوں کی سبھا
المدد وقتِ مددگاری ہے اے بھگوان آج
دیکھ میری عاجزی اور لاج رکھ عزت بچا
تو ہی تو ہے جس پہ قایم ہے میرے دل کی امید
قلزمِ غم سے بچا اب مجھ کو بن کر ناخدا
وہ محیطِ جزو و کل سری کرشن بھگتوں کے شفیق
بہرِ امداد آ گئے خود سن کے یہ حمد و ثنا
اپنی شکتی سے بڑھاتے دروپدی کے پیرہن
ایک ہی دھوتی درازی میں ہوئی لا انتہا
زورِ بازو کھینچنے والے کا رخصت تھا تمام
غرق تھے بحرِ تحیر میں خرد نا آشنا

دروپدی کو اِک نگاہِ لطف سے بھگوان نے
کر لیا چشمِ زدن میں بندِ کلفت سے رہا

ہو چکا ہے جس کا من آلائشِ دنیا سے پاک
یاد میں مشغول ہے بھگوان کے صبح و مسا

پھر کسی آفت کا ڈر اُس کے مقدر میں نہیں
دھیان سمرن ایک ایشور کا ہے ردِ بلا

کرشن مسجودِ جہاں ہے کرشن ہے عاجز نواز
سرکشوں کے واسطے ہے کرشن پیغامِ قضا

شاہ دریودھن کی دعوت کب ہوئی منظورِ دل
جب بدرجی کا سنا اُلفت سے عرضِ مدعا

نعمتِ شاہی پہ سوکھے ساگ کو ترجیح دی
ہر کوئی تھا پریم کے اوتار کا مدحت سرا

کرشن کے پاس آیا دریودھن کہ تھا آغازِ جنگ
اور ارجن بھی ہوا بھگوان کے آگے کھڑا

تھی مدد کی آرزو تب کرشن جی نے یوں کہا
میں ہوں میری فوج ہے اب چن لو حسبِ مدعا

فوج دریودھن نے لی نافہم فہمندی سے چُنی
کرشن واجبِ ذات کو ارجن نے خوشی سے چُنا

خاک میں مغرور دریودھن ملا اور اُسکی فوج
پانڈوؤں نے پالیا پہلا سا شاہانہ عروج

بھجن

اے جانِ جہاں اے راحتِ جاں گوپی پریہ گردھر منموہن
یہ پران مرے یہ تن من دھن تجھ پر ہیں نچھاور منموہن
دل پر نہ فراق کا رہتا اثر گر خواب میں ہی تو مل جاتا
مُدت سے بھٹکتا پھرتا ہوں تیرے لئے در در منموہن
تم مالک ہو بھگوان ہو تم تم پران مرے ہو جان ہو تم
مسجودِ اہلِ جہاں ہو تم اے پریم کے ساگر منموہن
توقیرِ محبت افزوں ہو گر اپنے حقیقی شیدا کو
اک بار چھب اپنی دکھلا دے بھگتوں کے ایشور منموہن
طوفانِ تمنا ہیں یہ جاں ہے جسم سے خالی ہونے کو
جب باغِ حیات مٹے پھر کب درشن ہو میسر منموہن
تم بھگتوں کے رکھوالے ہو باخبر نہ کر اے مالکِ دل
آ جا غمِ فرقت سے چھڑا شفقت کی نظر کر منموہن

نا محرم شعر و سخن ہے سفیر یہ پریم کے پھول ہیں چرنوں میں
لاکھوں ہی لکھا کرتے ہیں تیری توصیف سخنور مضموں میں

بھگوان کرشن کی یاد

مجھے ہے کرشن کنہیا کی یاد دل میں سدا
وہی ہے خالق کون و مکان و ارض و سما

وہی ہے دولت جاوید و منزل مقصود
وہی ہے خانۂ دل میں مکین و ذات خدا

وہی ہے عالم و معلوم و علم و راحت کل
وہی ہے راز حقیقت محیط کل یکتا

وہی ہے نور و سرور اور وہی ہے راحت جاں
اسی کے تابع فرمان ہے بقا و فنا

اسی کے دھیان سے دل کا غبار اٹھتا ہے
اسی کی ذکر سے سب انتشار اٹھتا ہے

اسی کے حسن کی گلشن میں جلوہ آرائی
اسی سے سرو چمن کو ملی ہے رعنائی

اسی سے مہر و مہ و انجم فلک تاباں
وہی تماشہ ہے دنیا کا وہ تماشائی

اسی کے گیان میں گیانی ہیں رات دن سرشار
اسی کے در پہ بھگت لیتے ہیں جبیں سائی

وہی مراد دو عالم وہی ہے جائے سجود
اسی کے دید کے عارف ہیں سب تمنائی

اسی کے دھیان میں یوگی کو لطف حاصل ہے
جو اس کی یاد سے غافل ہے عین غافل ہے

میرے من

میری بھی سُن دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
یہ شورہ سری تیری غفلت کے سوا کیا ہے
تو عمر بھر رہے حرص و ہوس کا سودائی
کبھی نہ سوچا روا کیا ہے نا روا کیا ہے
تھپیڑے کھا کے زمانے کے گرچہ لاکھوں بار
روش نہ بدلی تیرا اس میں مدعا کیا ہے
مجھے بھی تیری بدولت ملی ہے رسوائی
وگرنہ عیب ہے کیا مجھ میں اور خطا کیا ہے
میں تجھ سے آج سب افشائے راز کر دونگا
تجھے تعلیم نشیب و فراز کر دوں گا
تجھے ہے علم کہ دُنیا ہے خواب کا منظر
بدلتے رہتے مناظر ہیں لاتعداد دم بھر
کسی بھی شے کو میسر نہیں ثبات و قیام
ابھی ہے گلشنِ رضوان ابھی ہے نارِ سقر
جو کل تھے زینتِ تختِ شہی گدا ہیں آج
گدا جو کل تھے وہ ہیں مال دار و صاحب زر
کبھی ہے حالتِ طفلی کبھی جوانی ہے
کبھی عصا کے سہارے ہے سال خوردہ بشر

کبھی نسیم بہار اور کبھی سموم خزاں
غرض غضب کا دو رنگ ہے مقام جہاں
تمہیں ہے شوق کہ دولت کی ہو فراوانی
کہ پوری ہوں تیری سب خواہشات نفسانی
مگر نہ بھول کہ دولت ہے چند روزہ بہار
کچھ اعتبار نہ اس کا ہے آنی اور جانی
مثال برق چمکتی ہے دو گھڑی کے لیے
گر اپنی آج ہے کل بنتی ہے بیگانی
یہ ملتی اتنی ہے جتنی کہ ہو مقدر میں
ہوس ہے اس کا عبث باعث پریشانی
نہ خواہشات کے افراط کا ہے حد و حساب
شمار میں نہیں آتے ہیں بحر دل کے حباب
اگر غلام رہے خواہشوں کا فرد بشر
تو زندگی کا اُ[illegible]رحلہ ہے نازک تر
ہمیشہ دہر میں حرماں نصیب رہتا ہے
غلام دل کا جو بن جائے دل نہ افسر
یہ خواہشات بشر کے لیے ہیں جاں کا عذاب
جو ایک پوری ہوئی دوسری ہے پیش نظر
غلام دل سبھی دنیا میں تشنہ کام رہے
مٹے جہاں سے سکندر نپولین ہٹلر

بدلتی دُنیا کے لذات میں ہے رسوائی
پلے ہیں خاک میں اب تک سب اس کے شیدائی
بس انقلاب زمانہ ہے یہ نظام جہاں
پھر اس پہ اہل ہوس جان و دل سے ہیں قرباں
گماں تھا ساتھ یہ دُنیا چلے گی پر نہ چلی
جنوں میں ملتے ہیں سب دستِ حسرت و ارماں
یہاں ازل سے ثبات و قرار ہے معدوم
مگر ہے ایک صداقت کا راز اس میں نہاں
زمیں سے تا بہ فلک جس قدر مناظر ہیں
فقط ہے ناظر نظارہ اک نہاں و عیاں
ثبات اس میں دوام و قرار اس میں ہے
گذر خزاں کا نہ ہو وہ بہار اس میں ہے
یہ گرچہ آنکھ سے پنہاں ہے پر ہے جانِ جہاں
یہی ہے عنصر افلاک و گردشِ دوراں
یہی ہے تابشِ مہر فلک مہ و انجم
یہی رنگِ گل و حسنِ عارضِ خوباں
یہی ہے تازہ گئے گلشن و بہارِ چمن
اسی سے سینۂ بلبل میں سوزِ عشق نہاں
یہی نظارہ یہی ناظر اور یہ منظور
اسی کا جلوہ ہے ہر سو یہی ہے خود نگراں
اسی کا گیان ہے تب ہی رستگاری ہے
وگرنہ حرصِ جہاں ذلت اور خواری ہے

پیارے دل تو ہے غور اور فکر کا عادی
یہ میں نے تجھ سے حقیقت کی بات بتلا دی
نظامِ جسم کے حرکات کا ہے تو ناظم
تمام جسم کے افعال کا ہے تو ہادی
تیرا بھلا ہے جو تو سوچ لے میری باتیں
وگرنہ ہوگی تیری کج روی سے بربادی
مدارِ راحت جاوید ہے فقط تجھ پر
ہے سوچنے میں تجھے ہر طرح کی آزادی
یہ خواہشات یہ حرص و غضب ہیں دشمن جاں
تو ان کے ترکِ تعلق سے بن شہِ شاہاں

"سنسار کا انجام"

مسافروں کا ہے مجمع سرائے عالم میں
کوئی ہے مست بشاشت کوئی ہے ماتم میں
کوئی ہے زینتِ مسند کوئی ہے خاک نشین
کوئی امیر کوئی ہے معاش کے غم میں
کوئی سوار کوئی پیادہ کوئی پائے شکست
کوئی گدا کوئی شاداب حشمتِ جم میں
کسی کو شوق حقیقت سے عشق روحانی
کوئی اسیر کسی بت کے کاکلِ خم میں
رواں دواں ہیں یہ سب جانبِ عدم یکساں
نہیں تمیز اجل کو یہ پیر ہے کہ جواں

غضب ہے پھر بھی یہ انساں غلام دنیا ہے
یہ سوچ کر بھی کہ انجام عمر کا کیا ہے
یہ مانکر بھی کہ چلتا ہے قافلہ ہر دم
یہ جان کر بھی کہ اک روز سب نے چلنا ہے
دل و دماغ ہے مدہوش بادۂ غفلت
نیا ہی دل میں امنگوں کا جوش برپا ہے
درست ہے کہ انسان اشرف المخلوق
مگر جو سمجھے فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے
تاملِ زیست کے مسئلہ کو بھول کر انساں
مطیعِ نفس رہا مثلِ خر نہ پالاں

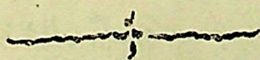
سفیرِ پند و نصائح ہیں کیا تیرا مطلب
تو پہلے جڑ سے مٹا لوحِ دل سے حرصِ غضب

ہوا جو صافیٔ دل کرشن جی کا دھیان لگا
ہٹیں گے اُس کی کرپا سے تمام رنج و تعب

پربھو کی یاد میں کاٹی ہے جس نے عمرِ عزیز
پربھو سے ملتا ہے وہ کرکے ترکِ لہو و لعب

حریص دُنیا کو کیا کام رام سُمرن سے
اُسے ستاتے ہیں مرنے پر اپنے ہی کرتب

جو جیسا بوتا ہے وہ کاٹتا ہے ویسا ہی
اجر ہے نیکوں کو نیکی، بدوں کو گمراہی



تمام شد

بتاریخ ۲۹ مئی سنہ ۱۹۵۶ء مطابق ۱۶ جیٹھ سنہ ۲۰۱۲

فقط


L. P. SABHA AMEPHALLA
LIBRARY
No.
Date.
JAMMU